۱۱

اسلام کا تصوّرِ ملکیت و مال

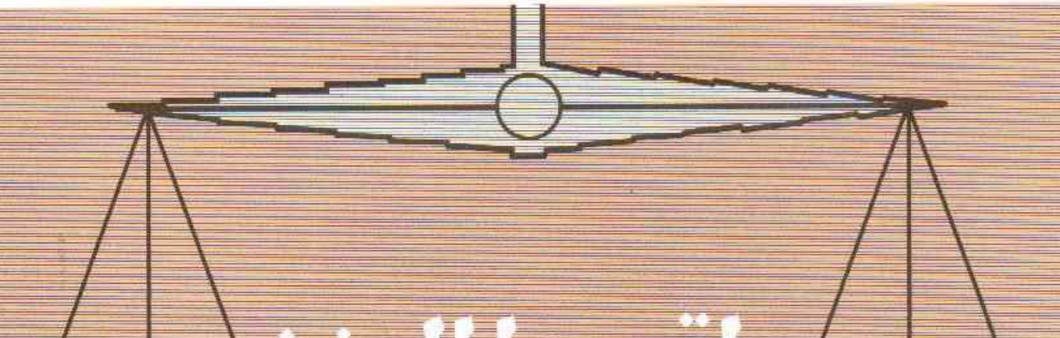

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اِسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۱۱)

اسلام کا تصور ملکیت و مال

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام کا تصوّرِ ملکیت و مال

تالیف: شہزاد اقبال شام

نظرثانی وراہ نمائی:
۱۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن
۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران شعبہ مطالعہ اسلامی قانون: ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

نگران منشورات: ڈاکٹر اکرام الحق لیٰسین

ناشر: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طابع: اظہار پرنٹرز۔۹، ریٹی گن روڈ لاہور

طباعت
اوّل: ۱۹۹۳ء ، دوم: ۱۹۹۶ء ، سوم: ۲۰۰۲ء
چہارم: ۲۰۰۳ء ، پنجم: ۲۰۰۴ء ، ششم: ۲۰۰۶ء

قیمت: ۳۰ روپے

فہرست مضامین

	صفحہ نمبر
۱۔ تمہید	۱
۲۔ شخصی ملکیت کا تصور	۲
۳۔ شخصی ملکیت کی حد	۴
۴۔ شخصی ملکیت قرآن و سنت میں	۵
۵۔ شخصی ملکیت کا اخلاقی پہلو	۶
۶۔ اکتساب مال کے اصول	۹
(۱) حلال و حرام کا امتیاز اور چند مثالیں	۹
ا۔ جھوٹے مقدمہ میں تعاون اور وکالت	۱۰
ب۔ قاضی اور رشوت	۱۱
ج۔ جھوٹے مقدمے کے ذریعے مال کا حصول	۱۲
(۲) مال کا حصول اور اللہ کی یاد	۱۴
۷۔ مال خرچ کرنے کا اصول	۱۵
(۱) فضول خرچی کی ممانعت	۱۶
(۲) کنجوسی کی ممانعت	۱۶
(۳) نقطہ اعتدال	۱۸
(۴) پر تعیش زندگی کی حوصلہ شکنی	۱۹
۸۔ مال سے متعلق فقہی حکام	۲۰
۹۔ مال کی اقسام	۲۱
(۱) اباحت اور حرمت کے لحاظ سے	۲۱
ا۔ مال متقوم	۲۲
ب۔ مال غیرمتقوم	۲۲

(۲) حرکت و تغیر کے لحاظ سے ۲۲
ا۔ منقولہ ۲۲
ب۔ غیر منقولہ (عقار) ۲۳
(۳) قدر (Value) کے لحاظ سے ۲۳
ا۔ مثلی ۲۳
(ا) باعتبار حجم ۲۳
(ب) باعتبار وزن ۲۳
(ج) باعتبار تعداد ۲۳
(د) باعتبار طوالت ۲۴
(ب) قیمی اشیاء ۲۴
(۴) استعمال کے لحاظ سے ۲۴
ا۔ دوران استعمال میں صرف ہونے والا مال ۲۴
ب۔ محض استعمال ہونے والا مال ۲۴
۱۰۔ مال کی اس تقسیم کے فوائد ۲۵
۱۱۔ خلاصہ کلام ۲۵
۱۲۔ مزید مطالعہ کے لئے ۲۷
۱۳۔ حواشی و حوالہ جات ۲۸
۱۴۔ مصادر و مراجع ۲۸

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی ''بنتا'' زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے

کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں، جن کو رائج الوقت قانونی، دستوری، اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو، جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

اسلامی فقہ کے بنیادی مصادر و ماخذ اور اسلام کے عائلی نظام کے بعض اساسی پہلوؤں پر گفتگو کے بعد اب ضروری ہے کہ اسلام میں دیوانی معاملات اور تجارتی لین دین کی مختلف شکلوں پر گفتگو کی جائے - دیوانی معاملات اور تجاری لین دین کی بنیاد مال اور ملکیت ہوتے ہیں ' اس لیے ابتداء ہی میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فی الحقیقت اسلام میں مال و ملکیت اور حقوق ملکیت کے بارہ میں کیا تصورات پائے جاتے ہیں اور ان کا اسلام کے اخلاقی اصولوں سے کیا ربط ہے - کیا انسان کسب مال میں مطلقاً" آزاد ہے یا اس پر بعض پابندیاں بھی عائد ہوتی ہیں ؟ پھر خود مال کی تعریف کیا ہے ؟ کیا ہر شے جس کی طرف نفس انسانی کا میلان ہوتا ہو مال کہلاتا ہے یا مال کے بارے میں اسلام کا کوئی خاص نقطہ نظر ہے ؟

مال و ملکیت کی حقیقت پر غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا میں جہاں مال بہت سی انسانی ضروریات کو پورا ' اور بہت سے مسائل کو حل کرنے میں ممدو معاون ثابت ہوتا ہے ' وہاں بہت سے مسائل بھی اسی کے باعث پیدا ہوتے ہیں - آج ہی نہیں بلکہ ہزارہا سال سے عدالتوں میں آنے والے مقدمات کی ایک بڑی تعداد کا تعلق مال و ملکیت کے جھگڑوں سے ہوتا چلا آیا ہے - ان جھگڑوں کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مال و ملکیت کے بارہ میں بہت سے اساسی تصورات واضح نہیں ہوتے -

زیر نظر یونٹ میں انہی موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے - سب سے پہلے شخصی ملکیت ' اس کی حد اور شخصی ملکیت کے بارہ میں قرآن و سنت کے احکامات بیان کئے گئے ہیں - اس کے بعد ان اصول و قواعد کا ذکر کیا گیا ہے جو اکتساب مال کے لیے پیش نظر رکھنا ضروری ہیں - پھر ایک مستقل عنوان کے تحت مال خرچ کرنے کے بارہ میں قرآن و سنت کے احکام کو واضح کیا گیا ہے - یونٹ کے دوسرے حصے میں مال سے متعلق فقہی تصورات کو یکجا کر دیا گیا ہے اور آخر میں اس موضوع پر تفصیل پڑھنے کے خواہش مند اصحاب کے لیے بعض مفید کتب کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے -

عہد حاضر ہی میں نہیں بلکہ سدا سے مال انسان کے ضمیر و ایمان کے لیے باعث آزمائش ہی رہا ہے - یہی وہ فتنہ (آزمائش) ہے جس کے امت مسلمہ کو پیش آ جانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ رہتا تھا ' جیسا کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے - کتب فقہ کے مطالعہ سے بصراحت واضح ہوتا ہے کہ فقہاء نے مال و دولت کی اس اہمیت کے پیش نظر تجارتی اور دیوانی معاملات اور معاہدات کی درجنوں شکلیں سامنے رکھ کر ان کے احکام بیان کیے ہیں اور ان کی معمولی معمولی جزئیات پر روشنی ڈالی ہے تاکہ لین دین کرتے وقت فریقین ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا پورا پورا خیال رکھیں - آج اگر یہ کہا جائے کہ دیوانی معاملات اور تجارتی لین دین سے متعلق بنیادی امور پر ہمارے سامنے فقہاء کرام کی تیار کردہ ایک مکمل اسکیم موجود ہے تو یہ غلط نہ ہو گا - اس اسکیم میں مال و دولت اور ملکیت سے متعلق دوسرے بہت سے امور پر بحثیں بھی شامل ہیں - آج ہم اس مربوط اسکیم کو سامنے رکھ دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ایک مکمل دیوانی قانون مرتب کر سکتے ہیں - اس کے برعکس دور جدید کے ماحول اور معاشرے کے رائج الوقت تصورات کے سرسری جائزے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ افراد کی

غالب اکثریت حلال و حرام کے تصور سے ناآشنا ہوتی چلی جا رہی ہے - ایسا لگتا ہے کہ شاید لوگ زندگی سے متعلق وہی تصور اپنا چکے ہیں جو بالاخر الحاد اور سیکولرازم کے راستہ پر پہنچادیتا ہے - ان حالات میں فقہ اسلامی کے تصورات اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنا وقت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے - یہ ضرورت ہر سطح پر محسوس کی جا رہی ہے - اگرچہ اس کارخیر میں بہت سے دوسرے اہل علم حضرات اور ادارے اپنے اپنے فکری رجحان ' افتاد طبع اور ذوق کے مطابق حصہ لے رہے ہیں لیکن پھر بھی اس میدان میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے - اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے شریعہ اکیڈمی نے مطالعہ اسلامی قانون کا یہ کورس شروع کیا ہے- زیر نظر یونٹ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے -

اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ اس بارہ میں ہمیں اپنی قیمتی آراء سے نوازیں تاکہ ہم آئندہ سلسلوں کو مزید بہتر بنا سکیں - اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری یہ کوشش قبول فرمائے - آمین

یکم صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
۱۷ جون ۱۹۹۷ء

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

عناصر کائنات میں پایا جانے والا توازن کسی خوبصورت ترتیب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کائنات کے اندر حسی قوتوں میں نظر آنے والا توافق بھی تنظیم ہی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ اشیاء میں دیکھا جانے والا ارتباط اور انسان کی عقل سلیم بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اس دنیا کی ہر شے کے اندر حسن و خوبی کے مظاہر لازماً ملیں۔ ایک شے کا تعلق دوسری کے ساتھ یقیناً ہوتا ہے۔ کسی آبی ذخیرہ میں آبی حیوانات بآسانی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ لازمی ہے کہ نخلستان میں خوش نوا طیور پائے جائیں۔ اور بعید از قیاس ہے کہ کسی صحرا میں آہو کا وجود نہ ہو۔ سمندروں میں مچھلیوں کا بسیرا ہے اور صحرا میں بھٹکے ہوئے قافلے کو بستی نظر آئے تو یہ اندازہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی کہ وہاں انسان موجود ہوں گے۔

انہی مثالوں پر قیاس کرتے ہوئے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کسی بچے کی پیدائش پر یہ یقین کر لیا جائے کہ اس کی اوسط زندگی کے جملہ لوازم اس کرہ ارض کے کسی نہ کسی حصے پر بھیج دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ کائنات کا اصول توازن یہ سوچنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ دنیا میں کہیں کوئی ذی روح تو موجود ہو لیکن اس کے سانس لینے کے لئے دنیا میں ہوا موجود نہ ہو۔ دنیا میں آج تک بحیثیت مجموعی کبھی ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوئی کہ اس کرہ ارض کے تمام باشندے خوراک ختم ہونے کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہوں۔ اگر اس کے کسی ایک حصہ میں ایسا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے دنیا میں ایک غیر متوازن نظام زندگی وضع کر رکھا ہے جس کے باعث ایک طرف قحط اور دوسری طرف خوش حالی کے شاہکار تک مشاہدہ کرنے کو مل جاتے ہیں۔

عقلی طور پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ایک انسان کا دنیا میں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے سانس لینے کے لئے مناسب اور صاف ہوا، پینے کے لئے پانی، کھانے کے لئے خوراک، پہننے کے لئے پوشاک، رہنے کے لئے گھر اور زندگی گزارنے کے لئے اس کا ساتھی موجود ہے۔ متعلقہ فرد تک ان اشیاء کی بہم رسانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے ذرائع کے علاوہ دو قابل ذکر طریقے وضع کئے ہیں جن کے ذریعے اس دنیا کا نظام درست چل رہا ہے۔

پہلا طریقہ تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی اپنی تدبیر کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خاص طرح کی صلاحیتوں

سے نوازا ہے۔ کوئی شخص اپنی جسمانی محنت کے سہارے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ کسی کا رزق اس کی زبان کے استعمال سے وابستہ ہے۔ کسی کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا بلکہ سینکڑوں' ہزاروں افراد اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ وہ بس اس کام کا منتظم ہے۔ کوئی اس وجہ سے معاشی تفکرات سے آزاد ہے کہ اس کے والدین اس کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ کوئی دستکاری اور ہنرمندی کے ذریعے اپنی کفالت کرتا ہے۔ یہ طریقہ انسانی تدبیر سے ماوراء ہے۔

حصول رزق کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ اختیارات بعض بندوں کو تفویض (Delegate) کر رکھے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت کو اپنے بندوں کے ذریعے چلا رہا ہے۔ تاکہ ان کی آزمائش ہو اور یوں سزا اور جزا کا عمل بھی معرض وجود میں آتا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو رزق حلال مہیا کر کے اسے اخلاقی طور پر ترغیب دی کہ اگرچہ یہ دولت اس کے قبضہ قدرت میں تو ہے تاہم فی الاصل یہ اللہ کی ملکیت ہے۔ انسان اس میں سے صرف اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کا روادار ہے۔ کہیں عمال حکومت کو بیت المال کے اختیارات دے کر انہیں آزمائش میں ڈالا کہ وہ بندگان خدا پر وسائل سلطنت کیسے تقسیم کرتے ہیں۔ کہیں ایک گھر میں سربراہ خانہ کو اس کی بیوی بچوں کا رزق ماہانہ تنخواہ کی صورت میں دے کر اسے آزمائش میں ڈالا گیا کہ وہ اپنے اہل و عیال پر کیسے خرچ کرتا ہے؟ کہیں کسی غریب کی معاشی ضروریات کسی دولت مند شخص کے گھر ملازمت کی صورت میں پوری کیں۔ اور یوں دولت مند آدمی کو آزمائش میں ڈال کر اس کی سخاوت کا امتحان لیا گیا۔

تقسیم دولت کے یہ دونوں طریقے اسلامی نظام حیات کی بحثوں کا محور رہے ہیں۔ دولت کمانے کے حدود' دولت کا خرچ' اسراف و تبذیر' کنجوسی اور فضول خرچی میں خط امتیاز' جائز و ناجائز کا فرق' حد ملکیت کا تصور' کسب دولت کے اخلاقی اصول' ذرائع پیداوار کا منصفانہ استعمال اور کئی دوسرے موضوعات ایسے ہیں جو اسلام کے تصور ملکیت و مال کو واضح کرتے ہیں۔

اس باب میں ہماری گفتگو کا موضوع اسلام کا تصور ملکیت و مال ہے جس میں کوشش کی جائے گی کہ اسلام کے اس اہم تصور کے بارے میں کچھ واضح کیا جائے۔

شخصی ملکیت کا تصور

شخصی ملکیت کے حوالے سے پہلی اور اہم بات یہ کہ اسلام عورت و مرد میں کوئی تخصیص نہیں کرتا۔ پیدائش دولت کے عمل میں مرد و زن یکساں حصہ لے سکتے ہیں۔ البتہ اختلاط سے گریز کی راہ اختیار کرنے کے لئے اسلام کا

ایک اخلاقی تصور موجود ہے جس پر عمل کرکے عورت و مرد دونوں کسب دولت کے عمل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ دولت کمانے اور جائیداد بنانے کا جتنا حق مرد کو ہے' اتنا ہی عورت کو بھی ہے۔ مرد کا مال اس کی اپنی شخصی ملکیت ہے۔ اس میں مرد سے متعلقہ دوسری رشتہ دار عورتوں کا اس کی زندگی میں کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کی ملک میں آنے والی ہر شے اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اس کے شوہر' باپ' بھائی وغیرہ ان اشیاء پر اپنے حقوق ملکیت قائم کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے عورت' تعلیم' زراعت' صنعت و حرفت' طب' تجارت اور دوسرے معاشی میدانوں میں اپنی مقدور کے مطابق بھرپور حصہ لے سکتی ہے۔ مرد کی طرح عورت پر بھی اسلام حد ملکیت کی کوئی تحدید عائد نہیں کرتا۔ قرآن میں آتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (نساء' ۴:۳۲)

جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ۔

یہ آیت مردوں اور عورتوں کے اپنے کمائے ہوئے مال کے بارے میں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہاں کمانے کے معاملے میں بلاامتیاز جنس تصور دیا گیا ہے اور کمانے کے بعد ملکیت بھی بلاامتیاز جنس ہے۔

کمانے کے علاوہ اسلامی نظام معیشت عورتوں کو دوسرے ذرائع سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت کے حقوق بھی دیتا ہے۔ ایک مسلمہ ذریعہ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کا چھوڑا ہوا ترکہ ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (نساء' ۴:۷)

مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو' خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

آیت کے آخری حصہ میں یہ کہہ کر "یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے" انسانی اجتہاد کا دروازہ بند کردیا۔ یہاں تک حکم دیا کہ مردوں اور عورتوں کا حصہ ہر حال میں ہے' خواہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

عورتوں کے مال کی ملکیت ثابت کرنے والی تیسری شے مہر ہے جو نکاح کے موقع پر زوجین آپس میں طے

کرتے ہیں۔ قرآن میں آتا ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً (نساء' ۴:۴)

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو۔

عورتوں کے حق ملکیت ثابت کرنے والے ان تین ذرائع کے علاوہ وصیت اور رشتہ داروں کی دیت کی وصولی میں بھی ان کی ملک ثابت ہے۔ ان تمام احکام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی قابل قدر (Valuable) شے کی ملکیت کے حقوق بلاامتیاز جنس ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ مردوں کی ملکیت ان کی اپنی کمائی' وراثت' وصیت اور دیت سے ثابت ہوتی ہے جب کہ عورتوں کو ایک زائد ذریعہ ملکیت یعنی مہر کا حق بھی حاصل ہے۔

شخصی ملکیت کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ریاست کا مجموعی مالی نظام انفرادی ملکیت کے تصور پر قائم ہوتا ہے۔ سرکاری ملکیت اور حقوق کی گنجائش اور تصور بھی یقیناً اسلامی معیشت میں ملتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اسلامی معیشت کا کاروبار انفرادی ملکیت ہی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

شخصی ملکیت کی حد

جہاں تک سرکاری شعبہ کے معاشی عمل میں باقاعدہ حصہ لینے کا تعلق ہے تو ممکن ہے کہ بعض حالات میں ریاست کچھ ذرائع پیداوار کو قومی تحویل میں لے لے یا کچھ خاص میدانوں کو صرف ریاستی دائرہ عمل میں دے دے۔ جیسے خالص مالیاتی ادارے مثلاً بینک اور بیمہ کمپنیاں وغیرہ۔ لیکن یہ اسلامی ریاست کے دائرہ اختیار سے باہر ہے کہ وہ ایسی پابندی لگائے جس سے نجی ملکیت کی تحدید ہوتی ہو' مثلاً اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکم صادر کرے کہ کوئی شخص ایک حد تک رقم بینک میں یا اپنی ملکیت میں رکھ سکتا ہے اور اس سے زائد رقم حکومت بحق سرکار اپنی تحویل میں لے لے گی۔

امور سلطنت چلانے کے لئے کسی صنعت' کاروبار یا کسی تجارتی ادارے کو اجتماعی ضرورت کے لئے حاصل کرنا پڑے تو بھی ضروری ہے کہ حکومت اس کے مالک کو پورا پورا معاوضہ ادا کرے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کے کمائے ہوئے مال و دولت اور جائیدادوں کو بلاجواز اور بلامعاوضہ یا قلیل معاوضہ پر جبراً حاصل کیا جائے۔ بلکہ ناگزیر حالات میں لوگوں کے مال و دولت کو اجتماعی مفاد کے لئے صرف اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا

ہے کہ کسی حق دار کی حق تلفی نہ ہو۔

شخصی ملکیت قرآن و سنت میں

انفرادی ملکیت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ چاہے یہ منقولہ اشیاء ہوں یا غیر منقولہ جیسے زمین وغیرہ۔ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمل ہوتا رہا۔ خلافت راشدہ اور بعد میں صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی اس پر مسلمانوں کا عمل رہا۔ قران کریم میں آتا ہے۔

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَآ أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (انعام ۶:۱۴۱)

کھاؤ پیو ان کی پیداوار جب یہ پھلیں اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو۔

آیت میں حکم فرد کے لئے ہے۔ ریاست کے لئے نہیں اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ صدقات وغیرہ ادا کرنا ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب پھل اور فصلیں دینے کا ذریعہ یعنی زمین فرد کے قبضے میں ہو۔ اس مفہوم کو بخاری شریف کی ایک حدیث یوں بیان کرتی ہے۔

من ظلم قید شبر طوقه من سبع ارضین (۱)

جو کسی دوسرے کی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی غصب کرے گا ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

اس حدیث سے زمین کی شخصی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث میں لفظ "مَن" اس فرد واحد کے لئے ہے جس کے پاس زمین کی ملکیت ثابت ہے۔ رہا زمین کے علاوہ مال و دولت پر فرد کا قبضہ تو یہ قرآن و سنت میں کئی مقامات پر ثابت ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (نساء ۴:۳۲)

جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ۔

یہ آیات بلاتحدید نجی ملکیت کے لئے ایک دلیل ہے۔ چاہے یہ نجی ملکیت مردوں کے لئے ہو یا عورتوں کے لئے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ خود کمائیں دوسروں کے مال کے غاصب نہ بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حلال طریقے سے رزق کے حصول کو ایک دوسرے موقع پر عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے

کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے (من قتل دون مالہ فھو شھید (۲)۔

ان آیات و احادیث کے علاوہ قرآن و سنت میں جگہ جگہ ایسے احکام ہیں جو شخصی ملکیت پر دلالت کرتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے' مردوں کا اپنی عورتوں کو بے حد و حساب مہر ادا کرنا' وصیت کے احکام' یتیموں کے اموال کے بارے میں خاص احکام' قسم توڑنے پر کفارے کا بیان' ترکے کے احکام' وارثوں کا وراثت میں حصہ' افراد کے اموال پر زکوٰۃ اور عشر کا نفاذ' صدقہ و خیرات کی ترغیب' اموال غنیمت کی تقسیم' تعزیری قوانین کا نفاذ (جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا) ایک دوسرے سے اشیاء مستعار لینا' (عاریہ) ایک دوسرے کو تحائف دینا' (ودیعہ) اور یہ لاتعداد فقہی بحثیں' جیسے حوالہ' کفالہ' لقطہ' بیع' شرا اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب' یہ سب آخر افراد ہی کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئیں ہیں۔

انفرادی ملکیت ہی اسلامی ریاست میں معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے اگرچہ اجتماعی یا قومی ملکیت بھی اسلامی معیشت کا حصہ ہو سکتے ہیں تاہم بنیادی طور پر اسلامی ریاست کا وظیفہ (Duty) مال کمانا نہیں بلکہ ریاست کے اندر مختلف عناصر کے درمیان توازن قائم رکھنا ہے۔

شخصی ملکیت کا اخلاقی پہلو

قرآن و سنت کا گہرا مطالعہ کرنے والے اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے افراد کے مختلف طبقہ ہائے زندگی' ریاست اور گروہوں کے حقوق و فرائض جداگانہ طور پر متعین کر رکھے ہیں۔ دولت کی ملکیت کے حقوق اور بلاتحدید شخصی ملکیت کے مذکورہ بالا جملہ تصورات فرد سے متعلق ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بین السطور میں ریاستی حکام کو کہا جا رہا ہے کہ یہ احکام الٰہی ہیں' ان میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص جائز ذرائع سے بے حد حساب دولت کمائے تو بلا روک ٹوک کمائے' ریاست کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو یقینی بنائے اور یہ دیکھے کہ معاشرے کے متمول افراد' غربا و مساکین کی ہنگامی ضروریات پوری کرتے ہیں یا نہیں۔ ضروری ٹیکسوں کو اس طرح نافذ کرے کہ یہ امتیازی (Discriminatory) نہ ہوں۔ اس کے بعد ریاست کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص صدقات کا کتنا اہتمام کرتا ہے؟ حکومت اس کے لئے ترغیب تو دے سکتی ہے مجبور نہیں کر سکتی۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو مال کمانے والے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام قدرے جدا ہیں۔ جہاں کمانے کی مکمل اجازت دی وہاں یہ تنبیہ بھی ضروری سمجھی کہ پیداواری عمل میں فی الاصل اللہ تعالیٰ کے ارادے اور عمل کو دخل ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

اَفَرَءَ يْتُمْ مَّاتَحْرُثُوْنَ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (واقعہ ۵۶: ۶۳، ۶۴)

کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے ہو، ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں۔

زمین سے رزق تلاش کرنا مباح ہے۔ بشری تقاضے بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ حصول منفعت کے لئے کوشش کرنا انسان کے لئے لازمی ہے۔ لیکن دوسری طرف مال و دولت جمع کرنے کے تباہ کن رجحان کے بارے میں قرآن میں بڑے سخت الفاظ آئے ہیں۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (تکاثر ۱۰۲: ۱، ۳)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہر گز نہیں! عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔

لیکن جہاں انسانی ترجیحات تبدیل ہو جائیں، زندگی کے بارے میں بنیادی تصورات منہدم ہو جائیں، فکر آخرت کی بجائے فکر معاش انسانی سوچوں کے گرد شکنجہ کس لے تو پھر حرص و ہوا دنیا میں دولت مندوں کے لئے تو فخر وانبساط کا جواز پیدا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر بہت سوں کو سانس لینے کے لئے تازہ ہوا تک دستیاب نہیں ہوتی۔ پھر اسی حالت میں وہ مال جمع کرنے والے اس جہاں آب و گل سے رخصت ہو کر تہہ خاک کفن نشین ہو جاتے ہیں۔ مال وہیں زمین کی اوپر والی سطح پر انسان کی کمزور سوچ کا مظہر بن جاتا ہے۔ زمین کی اوپری سطح پر رہ جانے والا مال اب کسی دوسرے کی آزمائش کا باعث بنتا ہے۔

اس کرہ ارض پر مال اتنا ہی ہے جتنا پہلے انسان کے ہبوط پر یہاں اس کا منتظر تھا۔ اس وقت یہ مال مٹی کے ڈھیر اور پانی کی شکل میں تھا۔ اس مال نے پھر عمارات کی شکل اختیار کی۔ کبھی اس نے سونے چاندی کے بھیس میں انسانوں کو پھانسا، کبھی اس نے موٹر گاڑی کا روپ دھارا، کبھی اس نے نقدی کی جون میں آ کر انسان کی عاقبت بنائی، کبھی ملیامیٹ کی۔ یہی مال کبھی زمین سے اٹھ بیٹھنے کے قابل ہوا تو عالی شان عمارتوں کی شکل میں دام ہم رنگ زمین بچھانے کو آگیا۔ یہی مال باغات، نہروں، مرغزاروں، جانوروں کے گلوں، اور اناج کے ڈھیروں کی صورت میں دنیا میں کثرت سے پھیل گیا۔ کبھی یہ انسانی جسم کی شکل اختیار کر کے افرادخانہ اور اولاد کی شکل میں بھی باعث آزمائش ہوتا

ہے۔ انسان کو جب ضمیر (ایمان) کی رفاقت میسر نہ ہو تو یہ مال مختلف النوع پرمٹوں' لائسنسوں' اسلحہ' ترغیبات' غیر ملکی دوروں' بے مصرف خریداری' استقبالیوں' سینہ و ساق سے معمور محفلوں اور ساقی کی نوازشوں کے روپ میں انسان کا رفیق بن جاتا ہے اور جب انسان کے اندر کے عناصر پریشان ہو جاتے ہیں' سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جاتا ہے تو اس وقت اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ کسی طلسمی حصار میں مقید تھا۔ تب پتا چلا کہ مٹی کا ایک ڈھیر جو عالی شان عمارت کی شکل میں نظر آ رہا تھا اسی مٹی نے قبر کی شکل اختیار کر لی۔ سینہ و ساق کی حرارت اور گرمی رخسار قبر کے اندر کی حبس میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ باہر کی دنیا میں نہریں اب بھی رواں دواں ہیں' مرغزاروں میں خوش نوا طیور اب بھی باری تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ محلات اسی طرح کھڑے ہیں۔ گاڑی اپنے وقت پر روانہ ہوتی ہے' پرمٹ اب بھی جاری ہوتے ہیں مگر یہ خاک نشین تہی دست ہے۔ تو پھر اس نے یہ کیا کیا؟ مال کو کیوں وہیں چھوڑ دیا؟ مال تو اس کے ساتھ ہی آیا ہے۔ لیکن سحر سے آزاد ہو کر' اصل رنگ میں' صحیح صورت میں' بغیر بھیس بدلے۔ یہ اصل رنگ کون سا ہے؟ قرآن کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَاكَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَاكُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (توبہ' ۹:۳۴' ۳۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں دردناک سزا کی بشارت سنا دو ایک دن ایسا آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

مال انسان کے ساتھ ہی جاتا ہے لیکن اب سونے چاندی نے آگ کی صورت اختیار کر لی۔ شاید یہ اصلاً آگ ہی تھے جنہوں نے انسانوں کو پھانسنے کے لئے خوش نما بھیس بدل رکھے تھے۔ اب یہ مال جس نے دنیا میں رنگا رنگ تقریبات برپا کیں تھیں' انسان کے پاس روپے پیسے کی شکل میں آیا تھا۔ بے مقصد سیر و تفریح کے بھیس میں اس کی عقل پر پردہ ڈالا تھا۔ عالی شان عمارات کے روپ میں پھندا بچھایا تھا۔ بے معنی اسراف سے معمور اور بے مقصد خریداری کے جنون نے اس کے جی کو لبھایا تھا اور اس طرح اسے انفاق فی سبیل اللہ کے راستے سے ہٹایا تھا۔ اب یہ

مال طوق کی شکل میں اسی کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ قرآن میں آتا ہے۔

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران، ۳: ۱۸۰)

جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بنے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اسلامی تعلیمات بلاتحدید مال رکھنے کے لئے بھی دلائل فراہم کرتی ہیں، دوسری طرف جمع کرنے کی ممانعت، خرچ نہ کرنے پر وعید ایسے احکام بھی ملتے ہیں جو مال کو اسلام میں بظاہر ناپسندیدہ شے قرار دیتے ہیں۔ تو پھر نقطہ اعتدال کیا ہے؟

فی الحقیقت یہ دونوں باتیں درست اور قابل عمل ہیں۔ اسلام نے دونوں کے بارے میں ایسے احکام نازل فرمائے ہیں جو متوازن انسانی زندگی کے لئے قندیل ہیں۔ یہ بحث تین عنوانات میں سمیٹی جا سکتی ہے۔

۱۔ اکتساب مال کے اصول

۲۔ مال خرچ کرنے کے اصول

۳۔ مال کو بلاوجہ جمع کرنے اور رکھنے کی ممانعت

آئندہ سطور میں ایک ایک کر کے ان عنوانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

اکتساب مال کے اصول

اسلام میں مال کمانے کا اصل اور بنیادی اصول حلال و حرام میں امتیاز روا رکھنا ہے۔ اس کے بغیر مال کمایا جائے تو حرام مال کا معمولی سا حصہ حلال مال کے بہت بڑے حصے کو ناپاک اور پلید کر دیتا ہے۔

۱۔ حلال اور حرام کا امتیاز اور چند مثالیں

اسلام کی تعلیمات مال کمانے کے لئے سب سے اہم پابندی یہ لگاتی ہیں کہ مال کماتے وقت حلال اور حرام میں امتیاز کیا جائے۔ جائز ذرائع ہی سے کمایا ہوا مال ملکیت بن سکتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت حرام قرار پائی ہے جس کے حقوق ملکیت حاصل کرنا بعض حالات میں گناہ اور کبھی کبھی گناہ کے ساتھ جرم بھی قرار پاتا ہے۔ کوئی شخص اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بیت المال سے کچھ غصب کر لے تو یہ گناہ ہی نہیں فوجداری مقدمے کا باعث بھی ہے۔ لیکن کوئی سرکاری ملازم شخص اپنے فرائض دیانت داری سے پورے نہ کرے، معین وقت سے، جس پر اسے دفتر حاضر ہونا ہو، تاخیر سے آئے۔ قبل از وقت چلا جائے تو یہ بھی ناجائز ذریعے سے مال کمانے

کے مترادف ہے۔ کیونکہ آجر (Government) کے ساتھ معاہدہ میں جو شرائط طے کی گئی ہیں' وہ پوری نہیں کی جا رہیں۔ لہٰذا یہ گناہ ہے۔ چونکہ اس طرح کی بے ضابطگیاں اس قدر پیچیدہ ہوتی ہیں کہ ان پر کسی کے لئے فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں پر قانون کا نفاذ نہیں ہو سکتا البتہ جہاں تک انسانی ضمیر کا تعلق ہے تو وہ اسے وقت کی خیانت قرار دیتا ہے۔ حلال و حرام کے اس اصول کو ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں خاص طور پر قانون کے پیشے سے متعلق امور پر لاگو کریں تو صورت حال کچھ یوں بنتی ہے۔ (واوین کے اندر کا مواد ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب "ادب القاضی" سے لیا گیا ہے۔ حلال و حرام کا فرق زندگی کے تقریباً ہر شعبے سے مٹ چکا ہے۔ اس لیے ہر شعبہ زندگی کو بنیاد بنا کر مثالیں دی جا سکتی ہیں مگر دیکھا گیا ہے کہ شعبہ قانون سے متعلق افراد کے حلقوں میں تمام تر اخلاص کے باوجود بہت سے تصورات واضح نہیں ہیں۔ مندرجہ ذیل عنوان چونکہ اس پیشے سے براہ راست متعلق ہے اس لئے یہ عنوان ڈاکٹر غازی صاحب کی کتاب سے افادیت سے معمور ہونے کے باعث لیا گیا ہے)

(ا) ۔ "جھوٹے مقدمے میں تعاون اور وکالت (۳)

عن ابی ہریرۃ قال' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' من اعان علی خصومه لایعلم احق ام باطل فھو فی سخط اللہ حتی ینزع (مجمع الزوائد' جلد چہارم' ص ۲۰۱' بحوالہ طبرانی اوسط)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی ایسے مقدمہ میں کسی شخص کی مدد کی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ وہ مقدمہ سچا ہے یا بے بنیاد ہے تو وہ شخص اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا شکار رہے گا' جب تک اس مدد سے دستبردار نہ ہو جائے۔

ہمارے وکلاء حضرات کو خاص طور پر اس ارشاد کو یاد رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا مقدمہ پیروی کے لئے نہیں لینا چاہیے جس کے بارے میں ان کو یقین نہ ہو کہ ان کا موکل حق پر ہے۔ ورنہ اگر انہوں نے مشکوک مقدمہ میں اپنے موکل سے تعاون کیا تو شدید خطرہ ہے کہ یہ وعید ان پر صادق آ جائے۔

عن ابی الدرداء (رضی اللہ عنہ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال' ایما رجل شد غضبا علی مسلم فی خصومه لا علم له بها فقد عاند اللہ حقه و حرص علی سخطه وعلیه لعنه

الله تتابع الی یوم القیامہ (علی ابن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد، جلد چہارم، ص ۲۰۱، بحوالہ طبرانی کبیر)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے بھی کسی مسلمان کے خلاف کسی ایسے مقدمے میں سختی یا غصہ سے کام لیا جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا (کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا) تو اس نے اللہ کے حق سے دشمنی کا ارتکاب کیا، اللہ کی ناراضی جانتے بوجھتے مول لی اور اس پر پے در پے قیامت تک اللہ کی لعنت ہوتی رہے گی۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اعان علی خصومہ بظلم فقد باء بغضب من اللہ

(سنن ابوداؤد، جلد دوم، ص ۱۵۰، نول کشور ۱۲۹۳ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ظلم و ناانصافی کے ساتھ کسی مقدمہ میں کسی کی مدد کرے گا وہ اللہ کے غیض و غضب کو لے کر اس سے لوٹے گا۔

یہ ان تمام لوگوں کے لئے ایک شدید تازیانہ ہے جو بے گناہ لوگوں کے خلاف جھوٹے اور جعلی مقدمات گھڑتے ہیں، ان کی پیرویاں کرتے ہیں اور جانتے بوجھتے جھوٹے مقدموں میں لوگوں کو مدد دیتے ہیں۔ ایسے لوگ صریح ظلم اور بے انصافی میں ممد بنتے ہیں۔ اس لئے اللہ کے غیض و غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ مزید برآں وہ قانون دان اصحاب جو اپنی قانونی مہارت اور موشگافیوں سے فریق مخالف کا جائز حق چھین کر اپنے موکل کو دلانے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی اس حدیث نبوی کی رو سے خدا کے غضب کا شکار ہوں گے۔

(۴) قاضی اور رشوت(۴)

عن ابی حمید الساعدی قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہدایا الامراء غلول

(السنن الکبریٰ، بیہقی، جلد دہم، ص ۱۳۸)

حضرت ابوحمید الساعدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکام کو دیئے جانے والے ہدایا اور تحائف ناجائز مال ہیں۔

غلول کے معنی ہیں ملاوٹ، ہیراپھیری اور دھوکا دہی سے کمایا ہوا مال ہے حکام اور امراء کو مختلف لوگ ہدایا اور تحائف کے نام سے جو کچھ پیش کرتے رہتے ہیں وہ اگرچہ بظاہر ہدیہ یا تحفہ کے معصوم نام سے دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ رشوت کی ایک قسم ہوتی ہے۔ لہٰذا جو ہدیہ صرف اس وجہ سے دیا جائے کہ متعلقہ شخص کوئی اعلیٰ سرکاری افسر، حاکم عدالت کا کارندہ ہے تو یہ رشوت ہے اور حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی ہدیہ ایسا ہو جو خاص اس شخص کو دیا جانا مقصود ہو اور اس میں اس کے عہدہ کے اثرورسوخ کو دخل نہ ہو (جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص منصب پر فائز ہونے سے قبل بھی اس شخص کے اس طرح کے ہدایا قبول کرتا رہا ہو) تو ایسا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔"

(۳) جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ مال کا حصول

قانون دان حضرات، جو عملاً اس پیشے سے کسی نہ کسی حیثیت میں منسلک ہیں، جانتے ہیں کہ ہماری عدالتوں میں آنے والے مقدمات میں اچھا خاصا تناسب ان دعووں کا ہوتا ہے جو جھوٹے ہوتے ہیں۔ ایسے مقدمات بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم ان مقدمات کی ہے جن میں مدعی اپنا جھوٹا دعویٰ لے کر رائج الوقت قانونی نظام میں پائے جانے والے سقم سے فائدہ اٹھا کر مخالف فریق کو محض تنگ کرنا چاہتا ہے۔ درست قانونی مشورہ دینے پر ایسے موکل کا جواب ایک ہی ہوتا ہے کہ بس آپ مقدمہ دائر کر دیں نتائج کی فکر نہ کریں۔ ایسے مقدمات کے لئے لوگ دوسروں سے کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے مقدمات کسی ناجائز فائدے کے لئے دائر کئے جاتے ہیں۔

شریعت میں یہ دونوں طرح کے مقدمات دائر کرنا ناجائز ہے اور دائر کرنے کے نتیجے میں حاصل ہونے والی منفعت حرام ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ ۲: ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ اور ان (جھوٹے مقدمے) کو حکام کے یہاں اس غرض سے مت دائر کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ کے طور (یعنی ظلم سے) کھا جاؤ اور تمہیں (اپنے اس جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

قانون کے پیشے میں مال حرام کے اکتساب کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس

وقت ہماری عملی زندگی کے ہر گوشے' ہر پہلو میں برائی کا سرطان سرایت کر چکا ہے۔ ایسی حالت میں کمزور ایمان والے افراد کی ایک ہی دلیل ہوتی ہے کہ ان حالات میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ حالانکہ شریعت کے احکام ہر طرح کے حالات کے لئے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تمدن میں مسرفانہ طور طریقے آ جانے کے باعث ضروریات حاجات سے بھی آگے آسائشات اور تعیشات کی شکل میں زندگی میں اس طرح داخل ہو گئی ہیں کہ انہوں نے لازمہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ لہٰذا ان کو پورا کرنے کے لئے یقیناً جائز ناجائز کا فرق لاشعوری طور پر مٹانا نفس امارہ کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس امارہ کے جال میں پھنس کر انسانی ضمیر خود کو قید خانے کا مکین سمجھنے لگا ہے اور قید خانے سے رہائی کو یکسر بھلا بیٹھا ہے۔

ان مثالوں کے علاوہ بھی قرآن و سنت میں کئی احکام ملتے ہیں۔ قرآن کریم میں حلال و حرام کے بارے میں چند وضاحتیں اور اصول دیئے گئے ہیں۔ سورہ بقرہ آیت۔۱۸۸ کے مطابق ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی آیت میں حکام کو بطور رشوت مال پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ امانت میں خیانت سے روکا گیا ہے (بقرہ۔۲۸۳)۔ سرکاری فنڈ میں خیانت کے بارے میں وعید نازل ہوئی ہے (آل عمران۔۱۶۱)۔ چوری کرنے والے مردوں اور عورتوں کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم نازل کیا (مائدہ۔۳۸)۔ فحاشی کی اشاعت پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی نوید سنائی گئی ہے (نور۔۱۹)۔ یتیموں کا مال ظلم سے کھانے کو آگ کھانے کے برابر قرار دیا (نساء۔۱۰)۔ ڈاکے اور رہزنی پر قتل کر دینے کا حکم دیا گیا (مائدہ۔۳۳)۔ ناپ تول میں کمی پر تباہی کی خبر دی گئی۔ زنا کے ارتکاب پر سزا ہے بلکہ اس کے قریب پھٹکنے سے بھی روکا گیا ہے (بنی اسرائیل۔۳۲)۔ قحبہ گری سے منع کیا گیا (نور۔۳۳)۔ سود کو حرام قرار دیا گیا (بقرہ۔۲۷۵)۔ شراب' جوا' بت اور فال کے عمل کو گندے شیطانی کام قرار دیا گیا (مائدہ۔۹۰)۔ گانے بجانے کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکانے کا ایک ذریعہ کہا اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب دینے کی خبر دی گئی۔ جمعہ کی اذان کے وقت تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا (جمعہ۔۹)۔

یہ چند مثالیں قرآن سے ہیں۔ کتب احادیث میں حرام طریقے سے مال جمع کرنے کی ممانعت پر کئی جگہوں پر احکام موجود ہیں۔ جھوٹ سے مال کا اکتساب حرام قرار پایا۔ جھوٹی شہادت کی ممانعت فرمائی گئی۔ ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا۔ مال رکھتے ہوئے حق دار کو حق دینے سے ٹال مٹول کو ظلم کہا گیا۔ تصاویر بنانے سے' کتا پالنے سے (ماسوائے شکار کے مقصد اور مویشیوں کی رکھوالی کے) اور بعض خاص نوع کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لئے کتب احادیث ملاحظہ کیجئے)۔

۲۔ مال کا حصول اور اللہ کی یاد

اکتساب مال کے حرام ذرائع بہت سی جگہوں پر واضح کر دیئے گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ تمام اشیاء اور تمام افعال جائز اور مباح ہیں۔ ان اشیاء کا حصول مباح ہے۔ مال کمانے پر کوئی تحدید عائد نہیں کی گئی۔ لیکن ایک شرط ضرور عائد کر دی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد محض مال کمانا نہیں بلکہ اس مال کے ذریعے کچھ دوسرے مقاصد حاصل کرنا ہے۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ جائز' حلال اور مباح طریقوں سے مال کمانا مطلق اور بلاتحدید جائز ہے تو پھر اسلامی معاشرے میں ہمیں تاجروں اور صنعت کاروں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ پھر ہر شخص دنیا و مافیہا سے بے خبر ہر وقت (ہل من مزید) کی چلتی پھرتی تفسیر نظر آئے گا۔ جو قرآن و سنت سے عمدہ قسم کے دلائل سے بھی لیس ہوگا' تاریخ اسلامی سے اس کے پاس مثالیں بھی موجود ہوں گی کہ صحابہ کرام میں کئی بے حد دولت مند تھے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج و تخت بھی کسب حلال کی نظیر قرار پائے گا۔ حتیٰ کہ کسی لادینی مملکت کے باسیوں میں پائے جانے والے تصور اکتساب مال میں اور اسلامی مملکت کے شہریوں کے تصور میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ لیکن اللہ نے مال کے لامحدود حصول کو اپنی یاد سے مشروط کر دیا ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ ان کو تجارت اور خریدوفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور' ۲۴:۳۷)

وہ لوگ جنہیں خریدوفروخت اور تجارت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی یاد اصل ہے اور زندگی کے باقی تمام اعمال و افعال اس کی شاخیں ہیں۔ فی الحقیقت درست بات یہی ہے لیکن یہ محسوس کی جانے والی شے نہیں ہے' نہ کوئی ظاہر شے ہے جسے ہم چھو کر دیکھ سکیں کہ اس کی ساخت کیسی ہے؟ مضر ہے یا مفید؟ فائدہ دے سکتی ہے یا باعث ضرر ہے؟ اس لیے یہ بات وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا ایمان پختہ ہو اور وہ دین کی تعلیمات کو سمجھتے ہوں۔

یہاں پر اللہ کی یاد سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ انسان تسبیح لے کر خاص طرح کے الفاظ کا ورد شروع کر دے۔ یقیناً یہ بھی اللہ کی یاد کا ایک طریقہ ہے۔ جسے آیت کے الفاظ کے مطابق تجارت اور خریدوفروخت کی وجہ سے

متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ کے ذکر میں ہر وہ عمل شامل ہے جسے ادا کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکے۔ اس میں نماز اور اذکار مسنونہ سے لے کر حج اور نفلی عبادات تک شامل ہیں۔ کسی کے ذکر سے مراد یہی تو ہے کہ اس کو یاد کیا جائے۔ یہ کام اس شخص کا نام لے کر بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کے کارناموں کا ذکر کر کے اور اس کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو بیان کر کے بھی یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی تاجر تجارت میں ناپ تول کے دوران احکام الٰہی کے برعکس کم تولتا ہے۔ کوئی شخص تجارتی اموال میں ملاوٹ کا ارتکاب کرے تو یہ ذکر الٰہی کا بھلا دینا ہے۔

اس آیت سے ہمیں دو نکتے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اولاً یہ کہ مال کمانا بذات خود مقصد حیات نہیں ہے بلکہ یہ کسی دوسرے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور وہ مقصد ذکر الٰہی ہے۔ ثانیاً یہ کہ تجارت کے دوران میں اللہ کے احکام پیش نظر رکھے جائیں تو یہ بھی ذکر الٰہی کی ایک شکل ہے اور اگر ان احکام سے انحراف کیا جائے تو یہ ذکر الٰہی سے انحراف ہے جو اللہ کے ہدایت یافتہ بندوں کی صفات کے منافی ہے اور کھلی گمراہی ہے۔ ایسی تجارت جنت کی بجائے جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

مال کی خرچ کرنے کے اصول

کمانے کے بعد خرچ کرنے کے بارے میں بھی الہامی راہ نمائی انسانوں کی بہتری کے لئے نازل کی گئی۔ اپنے خون پسینے سے حلال، طیب اور درست طریقے سے کمایا ہوا مال بھی ایک خاص حد تک کمانے والے کے تصرف میں آ سکتا ہے۔ باقی مال پر انسان کی ملکیت تو ثابت ہوتی ہے، کتاب و سنت کی تعلیمات سے اس کا تصرف ثابت نہیں ہوتا۔ مال خرچ کرنے کے یہ اصول بعض خاص حالتوں کو چھوڑ کر اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں جن کا تعلق اسلام کے قانونی نظام کی بجائے تربیتی اور اخلاقی پہلوؤں سے ہے۔ کوئی شخص اپنی کمائی ہوئی دولت کو سیر و تفریح میں اڑا دے تو وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن کوئی حکومتی ادارہ اس پر پابندی نہیں لگا سکتا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ گھر کے اندر کوئی شخص کس قیمت کا گھریلو ساز و سامان اور برتن استعمال کرتا ہے، اس کا انتخاب اس شخص پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چاہے تو بڑھیا قسم کے سامان سے گھر کو مزین کرے اور چاہے تو سادگی اپنائے۔ ہاں! سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اپنے استعمال کے لئے سائیکل استعمال کرتا ہے، یا اعلیٰ درجے کی قیمتی گاڑی، یہ انسانی ارادے اور اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کمروں میں غالیچے بچھائے، یا سادہ زندگی بسر کرے، یہ اللہ اور بندے کا

معاملہ ہے۔ اس ضمن میں ہمیں جا بجا اللہ تعالیٰ کے احکام ملتے ہیں کہ دولت کما کر کیسے خرچ کی جائے۔ اس سلسلے کا پہلا اصول یہ ہے کہ دولت اور اس کی مختلف شکلیں انسان حاصل تو کر سکتا ہے لیکن وہ اس دولت کو تخلیق نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص دولت سے مویشی یا اناج خرید تو سکتا ہے لیکن ان اشیاء کو معرض وجود میں نہیں لا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضول خرچی سے روکا گیا ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو جائز ذرائع سے حاصل ہونے والا مال بے حدوحساب ہو سکتا ہے۔ اس میں سے انسان محض اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کرنے کا روادار ہے۔ مثلاً گھر کے عمومی اخراجات، مکان کی تیاری، اولاد کی شادی وغیرہ۔ لیکن محض مال و دولت کے بے حد و حساب وجود کے باعث بے مقصد خریداری، بیرون ملک بے مقصد سیرو تفریح، آرائش و زیبائش، لباس کا معمولی استعمال کے بعد ترک کر کے نیا لباس حاصل کرنا، مختصر مدت کے بعد گھر کے سازوسامان کو نئے سازوسامان سے بلاوجہ بدل دینا، بلاوجہ مہنگی اشیاء خریدنا، ذوق کے نام پر نت نئے عجیب و غریب شوق پالنا، یہ سب ناجائز کام ہیں۔ حلال ذرائع سے حاصل کردہ دولت بھی ان کاموں پر خرچ کرنا مطلقاً غلط ہے۔

۱۔ فضول خرچی کی ممانعت

ہر شخص کی ضروریات دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں اور وہی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اپنے مال کو کس طرح خرچ کرے۔ البتہ بے جا خرچ کرنے سے روکا گیا ہے، قرآن میں آتا ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف ۷: ۳۱)

اور کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ گزرو اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس مضمون کو ایک دوسری جگہ اللہ نے یوں بیان کیا

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا

(بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶، ۲۷)

اور فضول خرچی نہ کرو فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

۲۔ کنجوسی کی ممانعت

فضول خرچی کی نسبت اگر شیطان سے ہے تو کنجوسی بھی لائق ستائش فعل نہیں۔ یہ بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے جتنا

اسراف ہے۔ دولت کو بلاوجہ اور بلاضرورت روکے رکھنا اور جہاں خرچ کیا جانا چاہیئے دل کی تنگی اور بادل نخواستہ خرچ کرنا یا خرچ نہ کرنا سب بخل میں شامل ہیں۔ جو لوگ اس سے محفوظ رہیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ کہتا ہے۔

وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (تغابن' ۶۴:۱۶)

اور جو دل کی تنگی (یا نفس کی بخیلی) سے محفوظ رہے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران' ۳: ۱۸۰)

اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے معاملہ میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے۔ نہیں' یہ ان کے لئے بہت برا ہے جس مال میں انہوں نے بخل کیا اسی کا طوق قیامت کے روز ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

بخل جب دل میں جڑ پکڑ جائے تو یہ زرپرستی اور دولت جمع کرنے کے رجحان کا باعث ہوتا ہے۔ پھر آدمی دولت کو بلاوجہ جمع کرنے پرمائل ہو جاتا ہے۔ یہ حساب کرنا اس کے بس سے باہر ہو جاتا ہے کہ اس کی فی الاصل ضروریات کیا ہیں اور باقی جمع شدہ دولت کا اس کے پاس کیا کام ہے۔ ایسے افراد کے لئے بھی سخت عذاب بتایا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ' ۹:۳۴)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

بات صرف اتنی بھی نہیں کہ سونا چاندی جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر کوئی دردناک عذاب دیا جائے گا جو دوسری زندگی میں ہو گا۔ ہرگز نہیں' دولت جمع کر کے سینت سینت رکھنے اور اترانے پر تو اللہ نے دنیا ہی میں تباہی اور بربادی کے لئے کہہ دیا ہے۔ اللہ نے فرمایا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا

نَحْنُ الْوَارِثِيْن (قصص ۲۸:۵۸)

کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اپنی معیشت پر اترائیں۔ دیکھ لو ان کے گھروں کو، کم ہی کوئی ان کے گھروں میں بسا ہے اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔

۳۔ نقطہ اعتدال

بخل اور اسراف کے درمیان ایک معقول اور معتدل راستہ بھی ہے جو شریعت اسلامی کے پیش نظر ہے۔ اسی راستے پر چل کر لوگوں کے معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں اور یہی پوری قوم کے لئے وسیلہ نجات ہے۔ اس معتدل راستے پر چلنے کی تلقین اور اس کی نشاندہی قرآن میں جگہ جگہ ہے۔ اللہ نے فرمایا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ ۲:۲۱۹)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں۔ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔

اس آیت میں سے دو مفہوم ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک اپنی ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو، اپنی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان پر واجب نہیں ہے اور اس معاملہ میں اس سے کوئی بازپرس بھی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے بڑھ کر جو کچھ ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ دونوں احکام عامہ المسلمین کے لئے ہیں۔ البتہ درجہ کمال تک جانے کے خواہش مند مسلمانوں کے لئے ایک اور پیمانہ وضع کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (آل عمران ۳:۹۲)

تم نیکی کا مقام ہرگز نہ پا سکو گے جب تک کہ خرچ نہ کرو اپنے وہ مال جو تمہیں محبوب ہیں اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہے۔

انسان کے مال میں اس کے افراد خانہ، متعلقین اور اعزہ کے لئے تو باقاعدہ احکام نازل کر کے ان کے حصے مقرر کے گئے جو "قانوناً" لازم ہیں لیکن معاشرے کے دوسرے طبقات کے لئے بھی زکوٰۃ اور عشر کے ساتھ ساتھ دوسرے صدقات کی شکل میں مال میں حصے رکھے گئے جن کا تعین انسان کی اپنی صوابدید اور حاجت مند کی ضرورت پر چھوڑ دیا گیا۔ ان لوگوں کا کوئی طے شدہ حصہ نہیں ہے۔ تمام احکام جمع کر کے معروضی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ

ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مال دار انسان معاشرے میں کوئی اہم' نمایاں' الگ تھلگ' اور لباس' چال ڈھال' گفتار اور آداب میں دوسرے سے جداگانہ نظر نہ آئے۔ وہ جہاں رہ رہا ہے اس بستی کے باقی لوگوں جیسا ہو تاکہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نظر نہ آئے۔ اس اصول کو ذرا اپنے قرب وجوار' دائیں بائیں ماحول میں منطبق کر کے دیکھئے۔ کیا ایک کروڑ پتی مالدار شخص کا مالی اپنی ضروریات کماحقہ پوری کر رہا ہے؟ کیا اس کے خانسامے کے جملہ مسائل حل ہو گئے ہیں؟ کیا اس کا ڈرائیور زندگی کی تمام ضروری نعمتوں سے بہرہ مند ہے؟ کیا اس کے کارخانے میں کام کرنے والے مزدور آسودہ حال ہیں؟ بالعموم ایسا نہیں ہے اور یہ صورت حال اسلامی معاشرے میں قابل قبول نہیں ہے۔ نہ اسلامی معیشت ان خطوط پر استوار ہوتی ہے کہ معاشرے میں مختلف طبقات میں اس قدر اونچ نیچ ہو اور دولت مال داروں ہی میں گردش کرتی رہے۔ قرآن کریم میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

كَیْ لَایَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ (حشر' ۵۹:۷)

ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔

مال دار افراد اپنے مال کو ذاتی قرار دینے کے مجاز نہیں اور نہ یہ کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ملازمین کو ان کی مرضی سے طے شدہ اجرتیں دینے کا اہتمام کیا تھا۔ ہرگز نہیں! ان ملازمین کی اجرتوں سے بڑھ کر دولت مندوں کے مال میں ان کا حصہ تک رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ حصہ ادا کرنے والے دولت مند ہی دوزخ کی آگ سے بچ سکیں گے۔

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (معارج' ۷۰:۲۴' ۲۵)

(اور دوزخ کی آگ سے محفوظ) وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں طے شدہ حصہ ہے' مدد مانگنے والے اور محروم کے لئے (یعنی ان مال دار افراد نے از خود حاجت مندوں کے لئے اپنے مال میں حصہ رکھا)۔

۴۔ پر تعیش زندگی کی حوصلہ شکنی

معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے اور دوسرے شیطانی نظریات کثرت سے پھیل جانے کے ردعمل کے طور پر معاشرے کے افراد تعیشات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی اسلام کو پسند نہیں ہے۔

یہ پر تعیش رہن سہن جو ذوق جمال کے نام پر انسان کے نفس نے اپنا رکھا ہے' شریعت کے پیش نظر کبھی نہیں

رہا۔ کیونکہ انسانی وسائل اور مادی ذرائع کرہ ارض کے تمام انسانوں کے لئے یکساں اور منصفانہ تقسیم کے اصول پر تخلیق کئے گئے۔ اگر چند افراد یا معاشرے کا ایک طبقہ ان دستیاب وسائل کو صرف اپنے لیے مختص سمجھ کر گردوپیش سے اور ماحول میں بسنے والے دوسرے انسانوں سے قطع تعلق کرلے تو یہ صورت حال کسی بھی معاشرے میں تادیر قائم نہیں رہ سکتی۔ اور بالاخر ناانصافی ہی کو مٹنا ہوتا ہے۔ لیکن اس عمل میں جو معاشرتی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور اس سے جو نقصان ہوتا ہے وہ تمام طبقات کو اٹھانا پڑتا ہے جس کا زیادہ احساس اس طبقے کو ہوتا ہے جس کی دولت اور وسائل اس عمل سے متاثر ہوتے ہیں۔ رہے نادار اور تنگ دست افراد تو وہ پہلے ہی تہی دامن ہوتے ہیں مزید ان سے کیا چھن سکتا ہے۔ اس طرح کی ناگوار صورت حال تاریخ میں متعدد مرتبہ پیدا ہو چکی ہے کہ معاشرے کے مفلس اور مفلوک الحال طبقات نے وقت کے فرعونوں کو زمین پر ناک رگڑنے پر مجبور کیا لیکن جہاں اول الذکر صورت حال اسلام کے پیش نظر نہیں ہے ویسے ہی یہ دوسری کیفیت بھی اسلام کے منافی ہے۔ اسی لئے شارع نے دعوت و تربیت کے ذریعے تمام انسانوں کو توازن اور میانہ روی کا راستہ اپنانے کے لئے کہا ہے۔

ماحول اور معاشرے میں دائیں بائیں مفلسی اور غربت ختم ہو جائے تو بھی متمول افراد کا فرض ہے کہ دنیا پر بحیثیت کل نظر دوڑائیں اور جہاں جہاں معاشی بے قاعدگی دیکھنے کو ملے اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ بعض لوگ جس ماحول میں رہتے ہیں اسی پر قیاس کرکے پوری بستی اور ملک کے بارے میں رائے قائم کرلیتے ہیں حالانکہ ملک کو تو چھوڑیئے کوئی بستی بھی مفلس اور انتہائی تنگ دست لوگوں سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں کسی کے پر تعیش زندگی گزارنے کا جواز اسلامی معاشرت میں ہرگز نہیں۔

مال سے متعلق فقہی احکام

ان دعوتی احکام کے بعد ضروری ہے کہ مال کے بارے میں کچھ فقہی احکام بھی بیان کئے جائیں(۵)۔

فقہائے احناف کے نزدیک ہر وہ شے مال ہے جو قبضے میں آسکے، کسی محفوظ جگہ میں رکھی جاسکے اور عام طور پر اس سے منفعت حاصل کی جاسکے۔ گویا جب تک کسی شے میں دو صفات نہ مل جائیں وہ مال نہیں کہلا سکتا۔

پہلی صفت یہ کہ اسے قبضے میں لے کر حفاظت میں رکھا جانا ممکن ہو۔ لہٰذا معنوی اشیاء جیسے علم، صحت، خاندانی نجابت اور ذہانت وغیرہ مال کی ذیل میں نہیں آتیں۔ یہ مال کے حصول میں بطور ذریعہ تو استعمال ہو سکتے ہیں لیکن خود مال نہیں ہیں، جیسے ایک عالم تدریس کے ذریعے مال حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کا علم یا ذہانت، مال نہیں

ہے۔ اسی طرح بعض اشیاء حسی ہونے کی وجہ سے مال کہلائے جانے کی مستحق تو ہیں جیسے ہوا' سورج کی روشنی' سمندر میں مدوجزر' لیکن جب تک ان پر قدرت حاصل نہ ہو یہ مال نہیں کہلا سکتے۔

مال میں دوسری صفت یہ ہونا چاہیے کہ اس سے منفعت حاصل کی جا سکے۔ اگر کوئی شے حسی ہو تو بظاہر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے لیکن شرع میں اس شے کا استعمال ممنوع ہو تو اسے مال میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مردار' آلات موسیقی' شراب (۶) خون اور حرام جانور وغیرہ کسی بھی اعتبار سے مال کی تعریف میں نہیں آتے۔ اسی طرح بعض اشیاء بظاہر حلال اور طیب ہوتی ہیں لیکن ان سے نفع حاصل نہ کر سکنے کے باعث انہیں مال نہیں کہا جاتا۔ پانی ایک مفید شے ہے لیکن اس کا ایک قطرہ کسی کام کا نہیں ہوتا' مٹھی بھر مٹی سے نفع اٹھانا ناممکن ہے' اناج کا ایک دانہ کسی کی بھوک نہیں مٹا سکتا۔ لہٰذا ان اشیاء کی اہمیت کسی ایک شخص کے لئے بعض خاص حالات میں تو ہو سکتی ہے لیکن بالعموم یہ اشیاء بے معنی ہیں۔ اس لیے فقہائے احناف کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں۔

مجلّہ احکام عدلیہ کے مطابق مال وہ شے ہے جس کی طرف انسان کی طبیعت کا میلان ہو اور جن کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ چاہے یہ شے منقولہ ہو یا غیر منقولہ (۷)۔ لیکن یہ تعریف ناقص اور نامکمل ہے۔ کیونکہ پھل اور سبزیاں ایسی اشیاء نہیں ہیں جن کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ اسی طرح کڑوی اور زہریلی کیمیائی ادویہ انسان کے لئے باعث میلان نہیں ہیں لیکن منفعت کے باعث وہ مال ہو سکتی ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مال سے مراد وہ شے ہے جس کی کوئی قدر (Value) ہو اور اس کے تلف ہونے پر تاوان لازم ہو۔ یہ ممکن ہے کہ کسی شے میں کوئی منفعت پائی جائے یا وہ شے باعث نفع ہو۔ یہی وجہ ہے کہ احناف ان دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ ان کی تعریف کے مطابق ہر حسی شے مال ہے۔ جب کہ منافع اور حقوق' جیسے کسی کتاب کے حقوق طباعت وغیرہ' ملک تو ہیں لیکن مال نہیں۔

مال کی اقسام

فقہاء نے مال کو چار قابل ذکر اقسام میں تقسیم کیا ہے جن کا مختصر تعارف یوں ہے۔

۱۔ اباحت اور حرمت کے لحاظ سے

کسی شے کا استعمال جائز اور مباح ہو سکتا ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شے حرام ہو۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں کے پیش نظر مال کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(ا) مال متقوم

مال متقوم سے مراد وہ مال ہے جس کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت ہو اور یہ بالفعل کسی کی حفاظت میں رہنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کھانے پینے کی حلال اور طیب اشیاء' موٹر گاڑی' مویشی یہ سب اشیاء شریعت میں مال متقوم ہیں۔ مال میں منفعت موجود ہو لیکن شرعاً" اس کی قدر نہ ہو تو ایسا مال متقوم نہیں ہو سکتا جیسے مسلمان کی ملک میں شراب۔ اگرچہ مسلمان شراب غیر مسلم کو بیچ کر نفع حاصل کر سکتا ہے لیکن شرعاً" یہ غلط ہے۔

(۲) مال غیر متقوم

مال غیرمتقوم سے مراد وہ مال ہے جس کی شریعت میں کوئی قیمت نہ ہو' یا وہ حفاظت میں نہ رکھا جا سکتا ہو۔ کھلے سمندر میں تیرنے والی مچھلیاں' آسمان میں اڑنے والے آزاد پرندے اور زمین کی تہہ میں معدنی ذخائر جن سے استفادہ نہ کیا جا رہا ہو' یہ سب انسان کی حفاظت اور قبضہ قدرت سے باہر ہیں۔ اسی طرح آلات موسیقی' نشہ آور اشیاء اور حرام جانوروں کی کوئی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سب مال غیر متقوم کی تعریف میں آتے ہیں۔ سمندر سے مچھلیاں پکڑ لی جائیں یا کھلے آسمان سے پرندے پر قابو پا لیا جائے تو یہ دونوں مال متقوم کی ذیل میں آ جاتے ہیں اسی طرح آلات موسیقی' نشہ آور اشیاء اور حرام جانور غیر مسلم کے لئے متقوم مال ہو سکتے ہیں۔

۲۔ حرکت و تغیر کے لحاظ سے

رائج الوقت عدالتی زبان میں اسے منقولہ (جائداد) و غیر منقولہ کی اصطلاحات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(ا) منقولہ

ایسے مال کو' جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے' فقہ میں "منقول" کہتے ہیں۔ چاہے منتقلی کے عمل میں مال کی ہیئت وہی رہے جو اس سے قبل تھی یا تبدیل ہو جائے' جیسے ایک علاقے سے نسبتاً" کچے پھلوں کی دوسرے علاقے میں منتقلی' خواہ وہاں پہنچنے پر پھل پک چکے ہوں' منقولہ کے انتقال کی تعریف میں آتے ہیں۔ اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ منڈیوں' بازاروں میں فون پر ہونے والے لاکھوں کروڑوں کے سودے شرعاً" اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتے جب تک خریدار ان کا قبضہ

(Possession) حاصل نہ کرے۔

(۲) غیر منقولہ (عقار)

اس سے مراد وہ مال ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ممکن نہ ہو جیسے کھیت، مکانات، کھڑے درخت وغیرہ۔ ان اشیاء کو فقہ میں "عقار" کہتے ہیں۔ شفعہ اور پڑوس کے حق تصرف عقار کے ساتھ منسلک ہیں۔ بیع الوفا کا معاہدہ بھی صرف عقار کی صورت میں واقع ہو سکتا ہے۔ عقار کی بیع اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔

۳۔ قدر (Value) کے لحاظ سے

مال کی ایک قسم اس کے بدل کے اعتبار سے بھی ہے۔ ایسے مال کو فقہاء نے مزید دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(ا) مثلی

مثلی وہ مال ہے جس کی مثال منڈی کارخانے یا ماحول میں موجود ہو اس کے تلف ہونے پر ویسا ہی مال اس کی جگہ بطور تاوان دینا ممکن ہو۔ کسی خاص ادارے کی ساختہ گھڑی اگر گم ہو جائے تو ویسی ہی دوسری گھڑی بازار سے خریدی جا سکتی ہے۔ ایک خاص طرح کے برتن ٹوٹ جائیں تو ویسے ہی برتن خرید کر دینا آسان ہوتا ہے۔ مثلی مال کو مزید چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ مثلی اشیاء کی پہلی قسم کا تعلق ایسے مال سے ہے جن کی پیمائش ان کے حجم سے کی جاتی ہے۔ جیسے دودھ، پٹرول اور کئی مائع ادویہ وغیرہ۔ یہ تمام مائعات اس لئے مثلی کہلاتے ہیں کہ ان کے بدلے میں اتنی ہی مقدار میں ویسے ہی مائعات منڈیوں بازاروں میں دستیاب ہوتے ہیں۔

ب۔ مثلی اشیاء کی دوسری قسم کا تعلق وزن کی جانے والی اشیاء سے ہے۔ جیسے دس کلو گندم، پانچ کلو چاول اور اس طرح کی بے شمار اشیاء جو ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔ ان اشیاء کا بدل بھی آسانی سے متعین کیا جا سکتا ہے۔

ج۔ مثلی اشیاء کی تیسری قسم میں وہ اشیاء ہیں جن کی خرید و فروخت گنتی کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ جیسے انڈے، کیلے، مالٹے وغیرہ۔

د۔ چوتھی اور آخری قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں جن کی خرید وفروخت پیائش کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ جیسے کپڑا' شیشہ' لکڑی وغیرہ۔

مثلی اشیاء کے ضمن میں دی جانے والی تمام مثالیں مقامی حالات میں تغیر کے باعث تبدیل ہو سکتی ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں گندم' جو اور دانے دار اناج کی جملہ اقسام کا لین دین باعتبار حجم ہوتا تھا۔ یہی صورت آج سے کچھ عرصہ قبل ہمارے دور افتادہ دیہات میں بھی تھی۔ جہاں اناج کے لئے پائی اور ٹوپہ کی اصطلاحات استعمال ہوتی تھیں۔ اب ان اشیاء کا لین دین وزن کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں کیلے اور مالٹے گن کر فروخت کئے جاتے ہیں جب کہ دنیا کے کئی دوسرے ممالک میں ان کا لین دین بلحاظ وزن کیا جاتا ہے۔

مثلی اشیاء کے مبادلہ میں ربا داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے تبادلے یا قرض میں دونوں طرف سے اشیاء برابر ہونا ضروری ہیں۔ اگر مبادلے میں اشیاء کم و بیش ہو جائیں تو یہ سود ہے۔

(۲) قیمی

قیمی سے مراد وہ مال ہے جس کا بدل یا نظیر موجود نہ ہو بلکہ اس کا لین دین مقامی سکہ رائج الوقت کے ذریعے ہو۔ جیسے زمین' مکانات' ہاتھ کی بنی ہوئی بعض ایسی اشیاء جو عام طور پر ایک جیسی نہ ہوں یا عام طور پر نہ بنتی ہوں۔ مال قیمی میں ربا داخل نہیں ہوتا' چنانچہ ایک بکری کے عوض دو بکریاں دی جا سکتی ہیں۔

۴۔ استعمال کے لحاظ سے

اس اعتبار سے بھی مال کی دو اقسام ہیں۔

(۱) دوران استعمال میں صرف ہونے والا مال

ایسے مال کو استہلاکی مال کہتے ہیں۔ یہ وہ مال ہے جو دوران استعمال میں صرف ہو کر ختم ہو جائے یا جس کا رُخ ہی اس کا استعمال اور صرف ہونا ہو۔ جیسے کھانے پینے کی اشیاء' ایندھن' تیل' صابن اور پٹرول وغیرہ۔

(۲) محض استعمال ہونے والا مال

جو مال منفعت حاصل کرنے کے عمل میں صرف نہ ہو، بلکہ باقی رہے۔ کتابوں، کپڑوں، مشین اور فرنیچر وغیرہ کا شمار اس قسم میں ہوتا ہے۔ اجارہ اور اعارہ کے معاہدات صرف استعمالی مال کے بارے میں کئے جا سکتے ہیں۔

مال کی اس تقسیم کے فوائد

بظاہر یہ بات بڑی عجیب سی لگی ہے کہ عقلی طور پر ایک واضح شے پر فقہ کی کتب میں طویل درجہ بندی کر کے بحث کی جائے، مثلاً یہی کہ مال کی اقسام کا چار قسموں میں تقسیم کیا جانا اور پھر ہر ایک کی انواع الگ الگ کرنا عام انسانی زندگی میں بھی واضح ہے تو پھر ان کی تقسیم کا بیان اتنا اہم کیوں سمجھا گیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کی یہ تقسیم ہی بہت سے معاملات میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کسی شے کو مال متقوم مال قرار دے دیا جائے تو اس کے احکام الگ سے مرتب ہوتے ہیں۔ جب کہ غیرمتقوم مال کے لئے عدالتوں میں جداگانہ نوعیت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان حرام جانور یا حرام مشروبات بیچے تو یہ بیع باطل کہلاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان اشیاء کو مال غیرمتقوم قرار دیا ہوا ہے۔ اسی متقوم اور غیرمتقوم کی تقسیم کی وجہ سے اتلاف کی صورت میں تاوان کا تعین بھی آسان اور واضح ہوتا ہے۔ حد سرقہ کا اطلاق صرف مال متقوم کی چوری پر کیا جاتا ہے۔ اس طرح منقولہ اور غیر منقولہ مال کی تقسیم سے شفعہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ یہی تقسیم خرید و فروخت میں قبضہ یا بغیر قبضہ کے ملک کے احکام واضح کرتی ہے۔ استہلاکی اور استعمالی اشیاء کی تقسیم قرض، عاریتاً لی گئی اشیاء اور کرایہ داری کے احکام پر اثرانداز ہوتی ہے۔

ان تمام اقسام میں بعض مقامات پر مختلف فقہی مسالک کے جزوی اختلافات ہیں جو دوسرے معاملات پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر منقولہ اور غیرمنقولہ کی تعریف کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ احناف کے نزدیک منقولہ مال وہ ہے جو اپنی صورت اور ہیئت کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔ مالکی فقہاء اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں مال منتقلی کے عمل میں اپنی صورت یا ہیئت تبدیل کر لے تو اسے منقولہ مال کی تعریف میں نہیں لایا جا سکتا۔ یہ اختلاف بہت سے عدالتی امور پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام

اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں بسنے والے تمام انسان اپنی سوچ، فکر، رجحان اور میلان کے اعتبار سے ایک دوسرے

سے مختلف ہیں۔ ہر انسان دوسرے سے کلیتہ" مختلف ہے۔ کوئی اپنی ضروریات کے اعتبار سے زیادہ مال کا طالب ہوتا ہے تو کوئی دوسرا محض ذوق جمال کی تسکین کے لئے مال کا حریص ہے اور کوئی آخرت کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ ان تمام انواع کے افراد کے لئے قرآن و سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ' صحابہ کرام کے عمل اور تاریخ اسلام میں سے ایک سے ایک بڑھ کر دلیل اور مثال موجود ہے جو پیش کرنے والے شخص کے ذہنی رجحان کی عکاسی کرتی ہیں۔ لیکن جس طرح کسی پل پر' جس کے دونوں کناروں پر حفاظتی جنگلہ نہ ہو' صرف درمیان ہی میں چلنا حفاظت کی ضمانت ہو سکتا ہے' اگرچہ پل کی وسعت اور چلنے والے کی مہم جوئی کی عادت اس بات کی بھی اجازت دیتی ہے کہ چلتے چلتے دائیں بائیں بھی ہوا جا سکتا ہے لیکن اس عمل میں خطرے کا پہلو یقیناً موجود ہے' اسی طرح اسلام کی جملہ معاشرتی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ لہٰذا ساٹھ ستر سال کی اوسط زندگی میں وہی کچھ کاشت کیا جائے جسے اپنے ساتھ لے جایا جا سکے اور وہ زاد راہ پھولوں کی شکل میں ہو۔ کانٹے اور کانٹے دار جھاڑیاں ساتھ لے جانے کی صورت میں دوسری دنیا میں یہی چھونے کا کام دیں گی۔

دنیا میں کیسے رہا جائے' کیا کیا چیزیں انسان کے لئے ناگزیر ہیں۔ اس کو ایک حدیث میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اسلام کی مجموعی تعلیمات' دنیا کے بارے میں مومن کے تصورات اور اللہ تعالیٰ کا معیار مطلوب اس حدیث میں آئینہ کی طرح واضح ہے۔

لیس لابن آدم حق فی سوی ھذہ الخصال بیت یسکنہ و ثوب یواری بہ عورتہ و جلف الخبز والماء (۸)

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابن آدم کے لئے ان چیزوں کے سوا حق نہیں ہے کہ ایک گھر کہ جس میں رہے اور کپڑا جس سے اپنا ستر چھپائے اور روٹی اور پانی کے برتن

اس حدیث کے الفاظ غور طلب ہیں۔ جہاں انسان کے لئے گھر لازمی قرار دیا گیا ہے' گھر کی غایت بھی بتا دی کہ وہ اس میں رہے۔ چنانچہ گھر کے اندر جدید زبان میں "ذوق جمال کی تسکین" کے لئے مختلف النوع تعیشات' بے مقصد اور بے ضرورت اشیاء جمع کرنا' اس حدیث کے رو سے منع ہے۔ اس گھر پر انسان کا یہی حق ہے کہ وہ اس میں

رہے' زندگی گزارے اور دنیا سے رخصت ہو جائے۔ کپڑا انسانی بدن کے لئے ایک لازمہ ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کا ایک مقصد اگرچہ زیب و زینت بھی ہے۔ لیکن نئی بات یہ ہے کہ انسان کے لئے کپڑے کی نسبت سے صرف ایک حق ہے اور وہ سترپوشی ہے۔ ذرا غور کیجئے اگر کپڑے کی غایت نہ بتائی جاتی تو پھر جدید دنیا کے جملہ ذہنی امراض کی شاید گنجائش نکل سکتی۔ لیکن کپڑے کا مقصد سترپوشی بتا کر سب راستے مسدود کر دیے گئے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر لباس کے معاملے میں تفاخر کا اظہار' یہ شام کا لباس' یہ عشائیے کا لباس' یہ شب خوابی کا لباس' یہ رنگوں میں توازن' یہ جوتے کا لباس سے بے مقصد تطابق' یہ زرق برق پوشاکیں یہ چمک دمک سے معمور پہناوے' یہ سب کچھ اسی دنیا میں مستقل قیام کے اظہار کی شکلیں ہیں۔ حدیث کے الفاظ تو اس کی اجازت نہیں دیتے۔

ممکن ہے لباس کو ان شکلوں میں استعمال کرنے والے ذوق جمال کے نام پر کیا کچھ دلائل نہ رکھتے ہوں۔ لیکن وہ شخص جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہے' دنیا کو بے ثبات جانتا ہو' آخرت کو یقینی گردانے' جزا و سزا کے بارے میں متیقن ہو اور جس کا دل رسولؐ کی محبت سے مالا مال ہے' اس کا رویہ تو اس حدیث کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یہ اس سے کم از کم مطالبہ ہے۔

مزید مطالعہ کے لئے

اس باب میں ہم نے مال کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تفصیل کے خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کے معاشی نظریئے' جلد اول و دوم' محمد یوسف الدین' کراچی

۲۔ اسلام کا نظریہ ملکیت' جلد اول دوم' ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی' لاہور

۳۔ معاشیات اسلام' سید ابوالاعلیٰ مودودی' لاہور

۴۔ اسلام میں عدل اجتماعی' سید قطب شہید' مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی' لاہور

۵۔ مسئلہ ملکیت زمین' سید ابوالاعلیٰ مودودی' لاہور

۶۔ اسلام کا اقتصادی نظام' مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی' لاہور

۷۔ اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو' محمد محترم فہیم عثمانی' لاہور

۸۔ اسلامی قانون محنت و اجرت، مولانا مجیب اللہ ندوی، لاہور

۹۔ اسلام اور سود، ڈاکٹر انور اقبال قریشی، لاہور

۱۰۔ سود، سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور

حواشی و حوالہ جات

۱۔ بخاری: الجامع الصحیح، کتاب بدء الخلق

۲۔ مسلم: کتاب الایمان

۳۔ اس کے بعد دو عنوانات اور ان کا مواد ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب، ادب القاضی اسلام آباد (۱۹۸۶ء) کے صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳ اور صفحہ ۱۸۵، ۱۸۴ سے لیا گیا ہے۔

۴۔ ملاحظہ کیجئے کتاب کا صفحہ ۱۸۵، ۱۸۴۔ بظاہر یہ دونوں عنوانات اسلام کے نظام عدل سے متعلق ہیں لیکن ان کے تذکرے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نظام عدل میں حرام کیسے داخل ہوتا ہے۔

۵۔ یہ بحث "الفقہ الاسلامی وادلتہ" (عربی) از ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، جلد چہارم، دمشق، تیسرا ایڈیشن (۱۹۸۹ء) سے لی گئی ہے۔ لہٰذا ضمنی حوالہ جات کے لئے اسی کتاب سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ شراب اور خنزیر غیر مسلموں کے لیے مال ہو سکتے ہیں لیکن یہاں اس بحث کا موقع نہیں ہے۔

۷۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، سن اشاعت مرقوم نہیں ہے۔ مادہ ۱۲۶

۸۔ ترمذی: ابواب الزہد، باب ماجاء فی الزہادۃ فی الدنیا

مصادر و مراجع

۱۔ بخاری: محمد بن اسمٰعیل (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول، دار الطباعۃ العامرہ

۲۔ ترمذی: محمد بن عیسیٰ بن سورۃ (۲۷۹ھ) "الجامع" استنبول، دار الدعوۃ، ۱۴۰۱ھ

۳۔ زحیلی: وہبہ، ڈاکٹر "الفقہ الاسلامی وادلتہ" دمشق، دار الفکر، ۱۹۸۹ء جلد چہارم

۴۔ غازی: محمود احمد، "ادب القاضی" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۶ء

۵۔ مجلّہ: "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کراچی، نور محمد کارخانہ کتب

۶۔ مسلم: مسلم بن حجاج (۲۶۱ھ) "صحیح مسلم" بیروت، دار احیاء التراث العربی

۷۔ مودودی: ابوالاعلیٰ سید، (۱۹۷۹ء) "معاشیات اسلام" لاہور، اسلامک پبلی کیشنز

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول۔قرآن
۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ دوم۔سنت
۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم۔اجماع
۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم۔قیاس
۵۔ اجتہاد کی تعریف
۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل
۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔ مزارعت اور مساقات
۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور
۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور
۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری